رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲

ہماری زبان

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲ | یکم اکتوبر ۱۹۵۳ء | ★ اڈیٹر قاضی عبدالغفار ★ | ۲۱ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ | نمبر ۱۹

مرکز اور شاخیں

ہمارا گذشتہ تین سال کا تجربہ یہ ہے کہ مرکزی انجمن کی شاخوں میں مرکز اور اس کی تنظیم سے وابستگی کا احساس بہت کمزور ہے۔ سوائے چند شاخوں کے عمل کا دائرہ زیادہ تر رسمی جلسوں اور مشاعروں اور یادگاری اجتماعات تک محدود رہتا ہے۔ جہاں کسی ٹھوس کام کا نام آیا اور کسی ایسی تنظیم کی طرف آنے کی دعوت دی گئی جس میں محنت اور جدوجہد کے سوا تماشے اور مظاہرے اور نمود و نمائش کا کوئی موقع نہ ہو تو ذوق عمل ٹھٹک جاتا ہے۔

لیکن اعتراف کرنا چاہئے کہ اس تجربہ کے خلاف ایک خوشگوار تجربہ دستخطی مہم کا ہے۔ جس میں اردو کی خدمت کرنے والوں کا ایک اچھا گروہ میدان میں نکلا۔ اس گروہ میں کچھ تو انجمن ترقی اردو کی شاخوں کے کارگذار تھے اور زیادہ تر جمعیۃ علماء کے دائرے کے وہ لوگ تھے جو قومی خدمت کے میدان میں ہر روز ہی آگے آگے رہتے ہیں۔ اس جماعت کے لیڈروں نے تحریک کی اہمیت کو بہت جلد سمجھ لیا اور اپنے جماعتی کارگذاروں کو انجمن کی کمک پر مامور کر دیا۔ اس طرح دستخطی مہم کا کام تیزی سے آگے بڑھا اور کارگذاروں کی تعداد میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن اس حقیقت کو بھی صاف طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ اس بڑی تعداد میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی شامل ہے جنھوں نے عام فضا سے جذباتی طور پر متاثر ہو کر چند روز کام کیا اور پھر جلد ہی تھک کر بیٹھ رہے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ ان صاحبوں کے نام بھی رضاکاروں کی فہرست میں شامل ہوگئے جس کسی نے دس دستخط بھی کرائے اس کا نام ہزار ہا دستخطوں کے حاصل کرنے والوں کے پہلو بہ پہلو داخل فہرست ہوگیا۔ اس طرح کے حاشیے فہرست کے طول میں تو زیادہ اضافہ کر دیتے ہیں لیکن وزن میں زیادہ اضافہ نہیں کر سکتے۔ ہر تحریک کا وزن ان ہی رضاکاروں کے ناموں سے بڑھتا ہے جو تحریک کی اہمیت کا صحیح احساس رکھ کر اسے سمجھ کر اور اس کی بنیادی ضرورتوں سے واقف ہو کر کام کرتے ہیں۔

مرکزی انجمن کی شاخوں کو دستخطی مہم کے سلسلہ میں کام کرنے کا کافی تجربہ حاصل ہوا۔ اور اس میں شک نہیں کہ بعض شاخوں نے بڑا اور ان کے سینکڑوں رضاکاروں کا کام قابل قدر ہے۔ لیکن کیا ان شاخوں میں اور ان کارگذاروں میں مسلسل تعمیری کام کرنے کی ضرورت کا کوئی قومی احساس پیدا ہو گیا ہے اور ایسے کام بھی وہ کر سکیں گے جن میں "واہ واہ" کی گنجائش بہت کم ہوگی۔ اور زمین کھود دینے کی محنت زیادہ ہوگی؟ اس سوال کا جواب آسان نہیں۔ آئندہ جو تعمیری اور بنیادی کام انجمن کو کرنے ہیں ان کی کسوٹی پر ہی اس سوال کا جواب ملے گا۔

جن حالات کے تحت ہم نے ان خطوط پر سوچنا شروع کیا ہے وہ ایسے ہیں جن سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ شاخوں میں تنظیم اور مرکز سے وابستگی کا جذبہ بہت کمزور ہے۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ بعض شاخیں اترپردیش میں اس وقت بھی ایسی ہیں جنھوں نے آج تک مرکز سے اپنا الحاق نہیں کرایا ہے۔ اور ایسی بھی ہیں جو الحاق کرانے کے باوجود مرکز کے قواعد کی تعمیل نہیں کرتیں۔ نہ ان کی سالانہ رپورٹیں مرکز میں وصول ہوتی ہیں۔ نہ وہ مرکز کی ہدایات کی تعمیل کرتی ہیں۔ نہ ان کے ممبروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ نہ ان کے باقاعدہ انتخابات ہوتے ہیں اور نہ وہ اپنے اپنے مقام کی ضروریات کا لحاظ کرکے اپنے کام کا کوئی پروگرام بناتی ہیں۔

بدقسمتی سے ایسی شاخوں کی تعداد بھی کم نہیں جو اگر تھوڑا بہت کام کرنا چاہتی ہیں تو اس کے لئے ہر قدم پر مرکز سے مالی امداد بھی حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ مرکز نے کبھی اپنی شاخوں پر کوئی مالی بار نہیں ڈالا اور وہ شاخوں سے کوئی مستقل چندہ اپنے لئے وصول نہیں کرتا۔ ان کی مالیات میں اس نے کوئی حصہ مقرر نہیں کیا۔ پھر بھی شکایت یہ ہوتی ہے کہ مرکز سے ہمیں مالی امداد نہیں ملتی۔ ہندوستان میں کسی جماعتی تنظیم کی کوئی ایک مثال ہمیں ایسی معلوم نہیں جس میں شاخیں مرکز کی مالی امداد نہ کرتی ہوں۔ سب سے بڑی جماعت کانگریس ہے اور اس کی شاخیں مجبور ہیں کہ اپنی آمدنی کا مقررہ حصہ مرکز کو ادا کریں۔ انجمن ترقی اُردو کی تنظیم میں شاخوں پر اس قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی ہے۔ پھر بھی ہمیں حال ہی میں ایک شاخ کی اس کمزوری کا اس طرح احساس ہوا کہ تین سال تک ہم اصرار کرتے رہے کہ یا تو وہ اپنا الحاق مرکز سے کرائے یا مرکزی انجمن کا نام اپنے نام میں شامل نہ کرے۔ تب اس شاخ کے بڑے اُردو دوست سکریٹری صاحب نے مرکز کو لکھا کہ وہ اپنی شاخ کا الحاق کرانے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ مرکز اس بات کا وعدہ کرے کہ کم از کم پانچسو روپیہ ماہوار شاخ کے اخراجات کے لئے ادا کرے گا!! یہ وہی مثل ہے کہ الٹے بانس بریلی۔ مرکز سے الحاق کرنا گویا مرکز پر کوئی احسان کرنا ہے!! اور اس شاخ کے معتمد صاحب کا نام اردو کے خدمت گذاروں کی فہرست میں بہت اونچا لکھا ہوا ہے!!

ہم جانتے ہیں کہ شاخوں کا مالی پہلو کمزور ہے۔ اس کے دو سبب ہیں۔ اول تو عام اقتصادی حالات جن کی وجہ سے اُردو کی تحریکوں کے لئے چندہ جمع کرنا دشوار ہوتا ہے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ چندہ جمع کرنے والوں میں ذوق طلب نہیں ہے۔ ورنہ کسی شاخ کی معمولی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کسی بستی اور شہر میں سو پچاس روپیہ ماہوار چندہ جمع کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ غیر معمولی اخراجات کے لئے اب بھی مرکز شاخوں کی امداد کرتا ہے مثلاً مکتب قائم کرنے دار المطالعے کھولنے یا کتابیں خریدنے کے لئے جو شاخیں امداد مانگتی ہیں ان کو دی جاتی ہے۔ لیکن جب وہ شاخ افلاس اور تنگدستی کا عذر کرکے ایک کمرے میں دفتر بھی نہ رکھ سکے۔ تو اس کی یہ تنگدستی شرمناک ہے۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ شاخوں کے سیکڑوں اور ہزاروں ممبر ایسے ہیں جو چار آنہ یا آٹھ آنہ ماہوار چندہ بھی ادا نہیں کرتے لیکن اگر رضاکاروں یا کارگذاروں کی کسی فہرست میں نام لکھایا جاسکتا ہو تو وہ چند روز دوڑنے بھاگنے کی زحمت بھی گوارا کریں گے! پھر وہ چند روز میں تھک جائیں گے۔ اور مرکز کا شکوہ کرنے لگیں گے!!

گذشتہ اگست کے آخر میں ہم نے اپنی شاخوں کو ایک گشتی مراسلہ میں مخاطب کیا تھا جو اس اشاعت میں کسی دوسری جگہ نقل کیا گیا ہے۔ تقریباً ایک مہینہ گذرنے کے بعد اس وقت تک صرف ۶ شاخوں کا جواب ہمیں وصول ہوا ہے۔

جنرل سکریٹری نے گذشتہ اگست میں چند اضلاع کا دورہ کرکے جو حالات دیکھے ان کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ ابھی تک دستخطی مہم کے بعد شاخوں میں یہ احساس پیدا نہیں ہوا ہے کہ انہیں ابھی اور کام کرنا ہے۔ نہ ان کے سامنے کوئی پروگرام ہے۔ کچھ مخلص کارکن اس کے منتظر ہیں کہ کوئی نیا راستہ بنایا جائے تو اسے اختیار کریں۔ لیکن مرکز کا پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ خود شاخوں کے مقامی احساسات کا صحیح اندازہ کرے۔ اس سمت میں شاخوں نے سوچا ہی نہیں ہے اور اگر بعض نے کچھ سوچا ہے تو احساس تنظیم کی کمی کی وجہ سے مرکز سے تبادلہ خیال کی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔

دستخطی مہم نے جو عارضی حرکت اور بیداری پیدا کی اس کا ایک پہلو مرکز گریز رجحان بھی ہے جو بعض گوشوں میں اندر ہی اندر پرورش پا رہا ہے اور بعض کم نظر ناعاقبت اندیش اس کی ہمت افزائی کر رہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی مقامی جماعتیں دستخطی مہم میں کام کرنے کے بعد اب اپنی ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کا تصور لئے بیٹھی ہیں اور اس غرض سے جتھے بننے جا رہے ہیں کہ مرکز سے آزاد ہو کر اپنی شہرت کے مینار علیحدہ تعمیر کئے جائیں۔ یہ مرکز گریز رجحان اُردو کی پوری تحریک کے لئے پیام مرگ ثابت ہو سکتا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے کہ جب سونے کا انڈا دینے والی مرغی کا پیٹ چاک کر دیا جائے گا تو یہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر ہونے سے پہلے منہدم ہو جائے گی۔ ان دوستوں کو یہ بات بھولنی نہ چاہئے کہ ۲ہ ۴ ہزار روپیہ جو دستخطی مہم کی کامیابی پر خرچ کیا جاسکا وہ مرکزی انجمن کے نام اور اثر کا حاصل تھا۔ اس سے کٹ کر کسی جماعت میں خواہ وہ کتنی مخلص ہو یہ دم نہ تھا کہ اتنی بڑی تحریک کے اخراجات کی کفیل ہو سکتی۔ آج جن حلقوں میں مرکز سے جدا ہو کر اپنے لئے کوئی الگ میدان تیار کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے یا ہوگا وہ کتنے ہی مخلص ہوں مگر اُردو زبان کے نادان دوست ہیں۔

شاید اس موضوع پر ہمیں بہت کچھ کہنا ہوگا۔ لیکن اس وقت تو صرف انجمن کی شاخوں سے مجھے یہ کہنا ہے کہ اب وہ صحیح جذبہ کے ساتھ مرکز سے تعاون کریں۔ اپنے خیالات اور اپنی رایوں سے مرکز کی مدد کریں اور مرکز کے پیچھے اپنی صف کو مضبوط کریں۔ مقامی مخالفوں اور دوستوں دونوں کے تخریبی رجحانات کا ہمیں مقابلہ۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوازی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

شاخوں کے نام گشتی مراسلہ

انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخوں سے جنھوں نے دستخطوں کی فراہمی کے کام میں قابل تحسین جدوجہد کی ہے مجھے چند ضروری باتیں کہنی ہیں۔ حالات ایسے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ ہماری شاخیں جلد سے جلد اس بات پر غور کرنا شروع کردیں کہ انھیں اب کیا کرنا ہے۔ اور غور کرنا ہی شروع نہ کریں بلکہ اپنے کام کا ایک خاکہ اور نقشہ بنالیں اور صرف خاکہ اور نقشہ ہی نہ بنائیں بلکہ جہاں ممکن ہو کام شروع کردیں۔

حال ہی میں میں نے اخباروں میں اپنا ایک بیان شائع کرایا تھا اس بیان میں میں نے لکھا تھا کہ

"معاملہ کے دو پہلو بالکل واضح ہیں یا تو صدر جمہوریہ ہماری درخواست کو منظور فرمائیں گے یا نامنظور دونوں حالتوں میں ہمارے کارگزاروں کے کام کی نوعیت تقریباً ایک ہی ہوگی۔ بہر حال ہمیں اس صوبہ میں اردو زبان کی حفاظت اور توسیع کا کام خود ہی کرنا ہوگا۔ حکومت ہمارے مطالبات کو مان بھی لے تب بھی اگر ہم بنیادی اور تعمیری کام نہ کریں گے، اور صوبہ بھر میں اردو کے مکتبوں اور مدرسوں کا ایک جال نہ بچھادیں گے تو محض حکومت کے ہمارے مطالبات کو منظور کرلینے سے ہمیں کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہوسکتا۔

میرے ان الفاظ نے لکھنؤ کی کانفرنس اور انجمن ترقی اردو کے محترم صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کے ان الفاظ سے روشنی حاصل کی ہے جو موصوف نے اپنے خطبہ صدارت کو ختم کرتے ہوئے فرمائے تھے۔ موصوف نے فرمایا تھا کہ

"اگر ہمارا مطالبہ پوری طرح مان لیا جائے تب بھی ہمارا کام ختم نہیں ہوگا۔ زبان کی ترقی کے راستے بس وہی نہیں ہیں جن پر حکومت کی مدد سے چلا جاسکے میں اس خیال کا آدمی ہوں کہ اگر یہ سب راستے بند کر دیئے جائیں تو بھی ہماری کوشش سے اردو اتر پردیش میں زندہ ہی نہیں رہ سکتی بلکہ ترقی بھی کرسکتی ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ سب راستے کھل جائیں اور پھر بھی ہماری پست ہمتی سے اردو کی ترقی ہی ختم نہ ہوجائے بلکہ خود اردو ختم ہوجائے۔ زبان کا مستقبل اس کے بولنے والوں اس کے لکھنے والوں اس کے شاعروں اس کے ادیبوں اس کے معلموں کے ہاتھ میں ہے اور ان کی سعی کے راستوں کی درستی پر۔ اگر یہ لوگ زبان اور اس کے ادب کو چند خواص کا اجارہ سمجھیں گے تو اس جمہوری دور میں زبان آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ زبان کی ترقی کے اہم کاموں میں زبان کی ترویج ہے۔ اس ملک میں جہاں پڑھے لکھوں کی تعداد بہت کم ہے۔ ترویج کے کام میں بڑی گنجائش ہے۔ آپ کو جب اپنی زبان کے مستقبل سے اتنی دلچسپی ہے تو میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کی ترقی کی راہوں پر بھی غور کریں۔ اور ان پر چلنے کی تدبیریں نکالیں۔ یہ اردو کا کام ہی نہیں ہندوستان کا کام ہے۔"

آجکل میں اتر پردیش کے اضلاع کا دورہ اسی غرض سے کر رہا ہوں کہ پہلے ہر مقام کے کارگزاروں سے تبادلہ خیال کروں اور اس کے بعد اس تنظیمی کام کا کوئی نقشہ انجمن کی شاخوں کے سامنے رکھوں۔ چھ سات اضلاع کے کام کرنے والوں سے میں مل چکا ہوں اور کہیں کہیں میں نے یہ دیکھا ہے کہ تنظیمی کام کا صحیح رخ اختیار کیا جارہا ہے۔ مثلاً ضلع بستی میں جہاں اس وقت قاضی عدیل عباسی صاحب نے ۰ ۰ مکتب قائم کرکے (جو زیادہ تر بغیر کسی خرچ کے اعزازی کام کرنے والوں کی امداد سے چل رہے ہیں) ایک بہت اچھی مثال قائم کی ہے اور یہ مثال خاص طور پر ان اصحاب کے لئے ایک جواب ہے جو اس قسم کی تعلیمی تنظیم کا نام آتے ہی مالی مشکلات کے پہاڑوں کی نشان دہی کرنے لگتے ہیں۔ اعظم گڈھ میں بھی میں نے دار المصنفین کے احباب کو صحیح سمت میں سوچتے ہوئے پایا۔ اور مجھے یقین ہوگیا کہ وہاں بھی کام بہت جوش کے ساتھ شروع ہوگا۔ گورکھپور اور بنارس میں بھی میں نے بہت سے دوستوں کو آمادہ عمل پایا۔ الٰہ آباد میں بھی آخرکار انجمن کی ایک شاخ قائم ہوگئی اور اگر وہاں کے قدیم اختلافات نے پھر سر نہ اٹھایا تو مجھے یقین ہے کہ حاجی ذوالفقار اللہ صاحب کی رہنمائی میں صوبہ کا یہ بڑا شہر دوسرے شہروں سے آگے جائے گا۔

اب میں عنقریب بقیہ اضلاع کا دورہ شروع کرتا ہوں لیکن پہلے اس سے کہ میں انجمن کے روبرو کوئی پروگرام پیش کرسکوں مجھے انجمن کی شاخوں کے ذریعہ سے بہت ضروری اور اہم معلومات حاصل کرنا ہے۔ اس غرض کے لئے میں نے بہتر سمجھا کہ ایک سوالنامہ تمام شاخوں کو بھیجوں اور ان سے اس کا جواب مانگوں۔ جو شاخیں اس سوالنامہ کو جواب دینے میں قبل کریں گی یا مکمل جواب دیں گی ان کی نسبت مجھے ۔۔۔ کامل ہوگا

مگر شاید ان کی قوت عمل کمزور ہے اور محض عارضی جوش میں انہوں نے دستخطی مہم کا کام تو کر دیا لیکن وہ بنیادی اور ابتدائی تنظیم کی اہمیت کا احساس نہیں رکھتیں۔

میں پھر ایک دفعہ کہہ دوں کہ جو کام شروع کرنا ہے اس کے شروع کرنے کے لئے صدر جمہوریہ کے جواب کا انتظار بالکل ضروری نہیں، جیسا کہ میرے سوالنامہ سے معلوم ہوگا۔ یہ تنظیم تو ہر حال کرنی ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ انجمن کی شاخیں کس حد تک اس کام کی اہمیت کو محسوس کر کے میرے ساتھ تعاون کر سکیں گی۔

ایک واضح حقیقت کو صاف صاف آپ کے سامنے رکھ دینا ہے فرض کیجئے کہ صدر جمہوریہ نے ہمارے تمام مطالبات منظور کر لئے۔ اس کا نتیجہ اتنا ہی تو ہوگا کہ ابتدائی مدارس میں ہمارے بچوں کی تعلیم اُردو زبان میں ہونے لگے گی، یا ہم اُردو میں درخواستیں دے سکیں گے یا اُردو کے مدارس کو سرکاری امداد مل سکے گی، سرکار کے اہم اعلانات اور سرکاری کاغذات اُردو میں شائع ہوا کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ سرکاری مدارس میں کتنے بچے تعلیم پا سکتے ہیں ہمارے ملک میں تعلیم پانے والوں کی تعداد کا تناسب مجموعی آبادی سے اتنا کم ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں یہ حالت نہیں۔ پھر اگر ہمارے دس فی صد بچے سرکاری مدرسوں میں اُردو پڑھ بھی سکیں تو باقی ۹۰ فی صد کا حشر کیا ہوگا۔ اگر ہم ان کو جاہل رکھیں اور اُردو کی ابتدائی تعلیم بھی نہ دے سکیں تو صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی آیندہ نسل جن کی مادری زبان اُردو ہے ایک طرف اقتصادی دباؤ سے اور دوسری طرف جہالت کی وجہ سے اور تعلیم سے محروم رہ کر اس ملک میں بہت ادنیٰ درجے کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگی۔

اس بات کو بھی نہ بھولئے کہ عام طور پر ناواقف اور جاہل والدین کا رجحان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر بچے کو تعلیم ہی دلانی ہے تو صرف ہندی ہی کیوں نہ پڑھائی جائے جس سے آیندہ زندگی میں فائدہ ہو اور اُردو پر کیوں اس کا وقت ضائع کیا جائے۔ ان ناواقف اور کم نظر والدین کو اگر پوری طرح نہ سمجھایا گیا کہ اردو پڑھے بغیر ان کے بچے اُس تہذیب و تمدن سے بہت جلد محروم ہو جائیں گے جس کے خزانے اس زبان میں صدیوں سے جمع ہوتے آئے ہیں۔ تو مجھے اندیشہ ہے کہ ایسے بچوں کی ایک بڑی تعداد جن کی مادری زبان اُردو ہے۔ اردو سے بیگانہ ہو جائیگی۔

اس خطرے سے بچنے کے لئے ہمیں محض حکومت کے مدرسوں پر اکتفا نہ کر کے ہر جگہ اپنے مکتب اور ابتدائی مدرسے قائم کرنے ہوں گے مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اردو کے بہت سے حامی اور ہمدرد جو اس وقت دستخطوں کی ہنگامی تحریک میں کام کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے تھے کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ جو کام کرنا تھا وہ تو کر دیا۔ بدقسمتی سے ہمارے عوام کی نفسیات اور ان کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ کسی ہنگامی کام کے جوش و خروش میں تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن جب کوئی ایسا ٹھوس اور خشک کام جس میں ہنگامہ کچھ نہ ہو اور محنت زیادہ ہو کرنا پڑے تو وہ بہت جلد اکتا جاتے ہیں۔ یہ صورت اس وقت بھی پیدا ہو سکتی ہے اور اس لئے میں صاف صاف اور دعوٰی کے ساتھ ان دوستوں سے کہتا ہوں کہ:

> یہ جو کچھ آپ نے کیا وہ تو کام کا آغاز ہے انجام سے بہت دور، پہلا قدم جو آپ نے اٹھایا بہت آسان تھا، مشکل کام تو آگے آتا ہے۔

ان دوستوں کو یہ بات بار بار سمجھانی ہے۔

میں اس وقت مکتبوں، مدرسوں یا رشبینہ مدرسوں کے جاری کرنے کی کوئی تجویز یا اسکیم پیش نہیں کرتا، لیکن انجمن کی شاخوں سے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ جس پر ہمارے کام کا نقشہ مبنی ہوگا۔ جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں۔ اگر ہماری شاخوں نے اس معلومات کے جمع کرنے میں تساہل کیا تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ دستخطی مہم کا ہنگامی جوش ایک وقتی اُبال کی طرح اُبل چکا۔ اور اردو والے اب بھی ان نتائج سے غافل ہیں جو اُن کی غفلت سے پیدا ہونے والے ہیں۔ ہر شاخ کو چاہئے کہ منسلکہ سوالنامہ کی پوری پوری خانہ پُری کر کے جلد سے جلد دفتر کو بھیج دے۔

سوالنامہ

نمبر شمار	سوالات	ضلع میں	شہر میں
۱	آپ کے ضلع اور شہر میں ایسے لوگوں کی آبادی (تخمیناً) کتنی ہے جن کی مادری زبان اردو ہے؟		
۲	کتنے ابتدائی اور جیبک مدارس اور مکتب ہیں		
۳	ان کی تعداد حسب تفصیل ذیل بتائیے:۔ سرکاری:۔ میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے مدارس ایسے مدارس جن کو سرکاری یا کسی بورڈ سے امداد ملتی ہے:۔ پرائیویٹ مدارس و مکاتب:۔		
۴	ان میں سے کتنوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام ہے		
۵	ان مدرسوں میں ایسے کتنے طلبا پڑھتے ہیں		

نمبر شمار	سوالات	ضلع میں	شہر میں
	جن کی مادری زبان اردو ہے؟		
۶	آپ کے اندازہ میں کتنے بچے ایسے ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے۔ لیکن وہ کسی مدرسے یا مکتب میں نہیں پڑھتے؟		
۷	اگر نئے مکتب یا ابتدائی مدرسے قائم کئے جائیں تو کیا آپ کو ایسے معمولی تعلیم یافتہ لوگ مل سکتے ہیں جو رضاکارانہ طور پر بلا معاوضہ ایک دو گھنٹے روزانہ لڑکوں کو پڑھا سکیں۔		
۸	نئے مدرسے قائم کرنے کے لئے آپ کی رائے میں فی مدرسہ اخراجات کیا ہوں گے۔		
(۱)	اگر مدرسہ میں پڑھانے والے بلا معاوضہ ملیں		
(ب)	اگر پڑھانے والوں کو معاوضہ دینا پڑے۔		
(ج)	اگر مدرسہ یا مکتب کے لئے مکان بلا کرایہ ملے۔		
(د)	اگر کرایہ کا مکان لینا پڑے۔		
۹	اپنے علاقہ میں ایک سال کے اندر آپ کم سے کم کتنے مدرسے یا مکتب قائم کر سکیں گے۔		
	ان سوالات سے متعلق اور جو کچھ آپ لکھنا چاہیں لکھئے۔		

جنرل سکریٹری
انجمن ترقی اردو (ہند)
علی گڑھ

۲۸ راگست ۱۹۵۳ء

دار المصنفین (اعظم گڑھ)

یہ خبر اخباروں میں شائع ہو چکی ہے کہ حکومت ہند کی وزارت تعلیمات نے ۱۰ ہزار روپیہ کا عطیہ دار المصنفین کے لئے منظور کیا ہے اور اس کے علاوہ خود وزیر اعظم نہرو ایک ہزار روپیہ دے کر اس ادارہ کے لائف ممبر بنے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے ملک کا یہ مفید ادارہ سخت مالی مشکلات میں مبتلا ہو گیا تھا۔ لیکن حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کے دست کرم اور وزیر اعظم کی بروقت ہمدردی نے ایک بڑے خطرہ سے اسے بچا لیا۔ اور یہ واقعہ ایسا ہے کہ تمام ملک کو حکومت ہند کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ درحقیقت اس واقعہ میں دار المصنفین کی اعلیٰ علمی خدمات کا اعتراف مضمر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت کا یہ عطیہ اس کی سرپرستی کا آغاز ہے انجام نہیں ہے۔

(ع۔ ز)

THIS HINDI

(By MADANGOPAL.)

اس نام سے زبان کے مسئلہ پر حال ہی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ ہم اس کتاب اور اس کے فاضل مصنف کا اپنے ناظرین سے تفصیلی تعارف آئندہ کرائیں گے۔ لیکن اس وقت معاصر نیا ہند کے شکریہ کے ساتھ ہم اس کتاب کی ایک باب کے ایک ٹکڑے کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ مصنف کے دلائل اور خیالات کے متعلق کسی کی کچھ ہی رائے ہو لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ان کے خیالات سے شدید ترین اختلاف رکھنے والے لوگ بھی تسلیم کریں گے۔ کہ کتاب نہایت عالمانہ تحقیق اور سائنٹفک طرز استدلال کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اور اس قابل ہے کہ ہر مکتب خیال کے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

دیوناگری اور تعلیم

اکثر آدمیوں کا تجربہ تو یہی کہتا ہے کہ دیوناگری لکھنے میں زیادہ وقت لگتا ہے۔ انگریزی یا اردو لکھائی میں کم۔ مجھے کچھ آدمی ایسے ضرور ملے ہیں جو دعوے سے کہتے ہیں کہ جتنا وقت مجھے انگریزی یا اردو لکھنے میں لگتا ہے اس سے بھی کم وقت میں وہ دیوناگری لکھ سکتے ہیں۔ میری کبھی ہمت نہیں پڑی کہ میں ان کا مقابلہ کروں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جتنا وقت مجھے ایک میل چلنے میں لگتا ہے اس سے بہت کم وقت میں کچھ لوگ دو میل آسانی سے طے کر لیتے ہیں۔ ان کے دو میل طے کر لینے سے مجھے کبھی یہ شک نہیں ہوا کہ ان کے دو میل میرے ایک میل کے دو گنے سے کم ہیں۔

یہ بات ثابت کرنا کہ دیوناگری ہی نہیں جتنی ہند لپیاں ہیں، وہ انگریزی یعنی رومن لپی اور اردو لپی سے لگ بھگ دوگنی زیادہ لمبی ہیں کوئی مشکل کام نہیں۔ ایک آسان طریقہ تو یہ ہے کہ لفظوں کی گنتی کی جائے۔ ایسی چھپائیوں میں جہاں چھاپنے والے کی کوشش رہتی ہے کہ چھپائی جگہ بھی کم لے اور ساتھ ہی اتنی روشن ہو کہ آسانی سے پڑھی جائے۔ جیسا کہ اخباروں، ڈکشنریوں اور انسائکلوپیڈیوں سے چھاپنے والوں کی کاغذ بچانے کے لئے ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے ٹائپ چھوٹا ہو۔ اور لکھائی گنجان ہو۔ لیکن اتنی چھوٹی اور گنجان بھی نہ ہو کہ پڑھنے میں زیادہ تکلیف ہو۔ ساتھ ہی ان کی یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ کاغذ بھی کچھ بہت قیمتی نہ لگایا جائے۔

اس نقشہ کی درستی ہر ایک شخص آسانی سے جانچ سکتا ہے۔

	چار پانچ کالم میں سطروں کی گنتی	ایک سطر میں کتنے لفظ	چار پانچ کالم میں لفظوں کی گنتی
ہندی۔ ہندستان۔ دلی	۲۲	۶	۱۳۲
ہندی امر بھارت دلی	۱۸	۶	۱۰۸
ہندی وشوامتر۔ دلی	۱۸	۵	۹۰
گجراتی۔ ہندوستان بمبئی	۲۴	۵ ½	۱۳۲
گجراتی۔ جنم بھومی۔ بمبئی	۲۴	۵ ½	۱۳۲
بنگالی۔ جگنتر۔ کلکتہ	۲۶	۵	۱۳۰
بنگالی آنند بازار پتریکا کلکتہ	۲۶	۵	۱۳۰
مرہٹی۔ نوشکتی۔ بمبئی	۲۰	۴ ½	۹۰
گرمکھی۔ پنجاب سیوک جالندھر	۱۶	۴ ½	۷۲
گرمکھی۔ اکالی پتریکا امرتسر	۱۶	۴ ½	۷۲
اڑیا۔ پرجاتنتر	۲۰	۴	۸۰
تامل۔ دنیامنی	۳۵	۴	۱۴۰
ملیالم۔ ماتر بھومی	۲۹	۴	۱۲۶
ملیالم۔ گومتی	۲۰	۴	۸۰
اردو۔ ملاپ۔ دلی	۲۱	۱۱	۲۳۱
اردو۔ ویر بھارت دلی	۲۱	۱۰	۲۱۰
اردو۔ تیج۔ دلی	۱۸	۱۰	۱۸۰
انگریزی اسٹیٹسمین ۳۲ سے ۴۴ سطریں اوسط	۳۸	۶	۲۲۸
انگریزی۔ ہندستان ٹائمز دلی ۳۰ سے ۴۰ سطریں اوسط	۳۸	۶	۲۲۸

ان انسائکلوپیڈیوں کے کالموں کی لمبائی چوڑائی برابر ہے۔

	کالم میں سطریں	سطر میں لفظ	کالم میں لفظ
ہندی۔ وشو بھارتی	۳۰	۱۰	۳۰۰
چیمبرز انسائکلوپیڈیا	۴۹	۱۰	۴۹۰
امریکن انسائکلوپیڈیا	۴۲	۱۰	۴۲۰
انسائکلوپیڈیا برٹانیکا	۸۳	۱۰	۸۳۰

یہاں یہ جتا دینا ضروری ہے کہ اردو اخباروں کا کاغذ اور زبانوں کے اخباروں کے کاغذوں سے کم قیمت اور گھٹیا قسم کا ہوتا ہے۔ ممکن ہی نہیں نشچت ہے کہ اگر وہ بھی ویسا ہی کاغذ استعمال کرتے تو ان کے لفظوں کی گنتی اور زیادہ ہو سکتی تھی۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ انگریزی کے ہجے فضول لمبے ہیں مثلاً WERE, ARE کی آخری E فضول BOUGHT کے چھ حرفوں کی جگہ BOT تین حرف کافی تھے۔ حساب لگانے والوں نے حساب لگایا ہے کہ انگریزی کی عبارت میں 1/7 حرف فضول دکھاوے کے ہیں۔ یعنی 13 فیصدی آسانی سے کم کئے جا سکتے ہیں۔ اگر چاہو تو تم بھی اس حساب کو پرکھ سکتے ہو۔ انگریزی کی کوئی عبارت لے لو۔ اس کے حرف گن لو اور اس میں فضول حرفوں کو بھی گن لو تو یہ ۱۳ فیصدی کا تخمینہ بہت کچھ درست ہی پاؤ گے۔

ہندی 'ہندوستان' اور انگریزی 'ہندوستان ٹائمس' دونوں دلّی کی ایک ہی کمپنی کے اخبار ہیں اور ایک ہی چھاپہ خانہ میں چھپتے ہیں۔ ہندی کے 132 لفظوں کی جگہ انگریزی ہندوستان میں 228 لفظ چھپتے ہیں۔ اور اگر ان 228 میں 228 کا 1/7 اور جوڑا جائے تو 260 ہو جاتے ہیں۔ اور یہ 260 ہندی 132 کے دوگنے سے ذرا ہی کم ہوتے ہیں۔ سوچو تو سہی کہ اگر ہم دیوناگری کی جگہ کسی طرح رومن لپی یا اس جیسی کوئی اور چھوٹی لپی تجویز کر لیں تو آسانی سے ہندی کتابوں اور اخباروں کی قیمت آدھی رہ جائے۔

یہاں یہ جتا دینا ضروری ہے کہ رومن لپی کو اور بھی چھوٹا اور ہندی کے مناسب بنایا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی ذرا بھی اس طرف دھیان دے۔

اسکول کی فیسوں کے علاوہ آجکل پڑھائی میں کتابوں اور کاپیوں کا خرچ ہی کم نہیں۔ آجکل تو خیر پڑھائی کچھ انگریزی، کچھ ہندی، کچھ اردو میں ہوتی ہے۔ اب ہماری سرکار کے خیر خواہ چاہتے ہیں کہ آئندہ ساری پڑھائی لکھائی دیوناگری میں ہو۔ اس کا نتیجہ صاف ہے جو کتابیں آجکل انگریزی یا اردو میں پڑھائی جاتی ہیں وہ بھی دیوناگری میں چھپیں گی، اور اس لئے ان کی قیمت دوگنی ہو جائے گی اور کاپیاں بھی دوگنی برتی جائیں گی۔ اب ہمارا یہ سوال کہ ہندوستان جیسے غریب ملک میں پڑھائی لکھائی کا خرچ بڑھانا کہاں تک مناسب ہے ان غریبوں سے پوچھو جن کے بچے پڑھنے جاتے ہیں۔

یہ تو مجھے بہت دنوں سے معلوم تھا کہ دیوناگری لکھنے میں وقت بہت زیادہ لگتا ہے۔ اس کی وجہ میں نے سوچی اور ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ وجہ یہ کہ لکھائی کا کام اسکولوں میں کم ہی کرنا پڑتا ہے اس لئے لکھائی میں کچھ دیر لگنے سے تعلیم میں کچھ بہت فرق نہیں لگتا۔ ایک دن بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ جو لکھائی زیادہ جگہ گھیرتی ہے اور جسے لکھنے میں دیر لگتی ہے اور آہستہ پڑھنے میں بھی ممکن ہے زیادہ وقت لگتا ہو۔ خیال آنا تھا کہ پڑی ڈھونڈ، اپنا امتحان لیا۔ اپنے دوستوں کا امتحان لیا۔ اور یہ بات سولہ آنے پوری سچی معلوم ہوئی

لیکن اس کی وجہ نہ سوجھی۔ انگریزی میں لپیوں پر اور بھی بہت کچھ کتابیں ملیں۔ ان کے پڑھنے سے وجہ تو کچھ معلوم ہوئی لیکن دل کی تسلی نہ ہوئی۔ ممکن ہے کہ میری اور میرے دوستوں کی تعلیم میں ہی کچھ نقص ہو یا ہماری آنکھوں ہی میں نقص ہو۔ یہ تو صاف ہے کہ جس لپی کے پڑھنے کی زیادہ مشق ہو وہ جلدی پڑھی جاتی ہے۔ ایسے آدمی کہاں سے ڈھونڈے جائیں جنہیں دو تین لپیوں کے پڑھنے کی برابر مشق ہو۔ اور پھر میں بوڑھا آدمی کس کس گھر جاؤں، کس کس کی منت کروں۔ سوچ سوچ کے یہ فیصلہ کیا کہ یہ کام اصل میں تعلیم کے محکمہ کا ہے۔ ان کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بات کا پورا پتہ لگائیں۔ ان کے پاس اس کی پوری جانچ پڑتال کرنے کے لئے ہزار آسانیاں ہیں جو کسی بھی آدمی کو میسر نہیں ہو سکیں۔ لہذا میں نے ایک لمبی چٹھی لکھی جس میں جہاں تک مجھ سے ہو سکتا تھا میں نے اپنی تکلیف اور خیال کو ظاہر کیا اور پرارتھنا کی کہ وہ اس بات کی پوری پوری جانچ کریں کیونکہ جہاں تک میری سمجھ تھی دیوناگری سے پیچیدہ اور زیادہ وقت لینے والی اور کوئی لپی نہیں اور اس لئے اس کے اپنانے سے دیس کی آنیوالی شکشا اور خوشحالی پر بہت بڑا اثر پڑے گا۔ ڈیڑھ سو کاپی اس چٹھی کی دیس کے ہر صوبے کے گورنر، بڑے وزیر، شکشا وزیر، ڈائرکٹر، ہر یونیورسٹی کے چانسلر اور وائس چانسلر اور کچھ کالجوں کے پرنسپلوں اور پروفیسروں کو بھیجی گئیں۔ لیکن واہ رے ہمارے دیس کی سبھیتا اور حکومت کا نشہ کہ باوجود میری از حد خوشامد اور لجاجت کے ان ڈیڑھ سو اونچے افسروں میں سے صرف دو نے چٹھی کی رسید دی، اور وہ بھی کوری رسید۔ کسی نے نہ میری پرارتھنا سنی اور نہ دیس کی سبھیتا اور خوشحالی کا خیال کیا۔

چونکہ اتر پردیش دیوناگری پر بہت زور دیتا ہے۔ اسلئے میں نے کم سے کم پچاس چٹھیاں یوپی کے تعلیمی افسروں کو جن میں ہندی، انگریزی، سنسکرت کے پروفیسر خاص شامل تھے بھیجیں تاکہ اگر میرا خیال غلط ہے تو وہ آسانی سے میرے خیال کو درست کر سکیں۔ لیکن یوپی کا باوا آدم ہی نرالا معلوم ہوتا ہے۔ مجال ہے کہ کسی کے کان پر جوں تک رینگی ہو۔ خیر یہ چٹھی تو بھیجی گئی تھی اگست ۱۹۵۲ء میں۔ اس کے بعد میں نے خود بہت کچھ دیکھ بھال کی اور اب میں ڈنکے کی چوٹ کہہ سکتا ہوں کہ جتنے دیوناگری کے چوٹی کے ڈھنڈورچی یعنی یوپی کے وزیر، کانگریس پردھان، گورنر، جج، یونیورسٹیوں کے چانسلر، وائس چانسلر، پروفیسر، تعلیم کے ڈائرکٹر، اسکولوں کے انسپکٹر ہیں یہ سب دیوناگری سے

انگریزی لپی میں فیصدی جلد پڑھ سکتے ہیں۔ اور جنہوں نے کبھی اردو لپی سیکھی تھی وہ بھی آج پچاس فی صدی نہیں تو کم سے کم تیس فیصدی اردو لپی دیوناگری سے جلد پڑھ سکتے ہیں۔ ان میں سے جسے میری بات میں شک ہو، چاہئے کہ آپ اپنا امتحان لے لے۔ اس میں تو شک کی گنجائش نہیں کہ جو لپی جلدی پڑھی جا سکتی ہے اس میں پڑھائی زیادہ ہو سکتی ہے۔ اگر پچیس فیصدی کا فرق ہو تو جو تعلیم اسکولوں میں دیوناگری میں چار برس میں دی جاتی ہے وہ دوسری لپی میں تین برس میں بچہ حاصل کرے گا۔ اگر بیس فیصدی کا فرق ہو تو دیوناگری کے پانچ برس برابر ہوتے ہیں۔ دوسری لپی کے چار برس کے۔ اسکول میں ہی نہیں ساری عمر یہ فرق رہے گا۔ پچاس برس کی عمر تک جو ایک دیوناگری میں پڑھے گا، دوسرا چالیس برس کی عمر میں اتنا علم حاصل کرے گا۔ وہ زمانہ لد گیا جب ہندوستان ایک الگ تھلگ ملک تھا جسے دنیا کے اور ملکوں سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ آج کل ہمارا دنیا کی سب قوموں سے مقابلہ ہے۔ اس دیوناگری کے بھروسے پر ہم کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جب تک ہمیں دیوناگری کے جھگڑے پڑنے کا علم نہ تھا تب تک اپنی پرانی لپی سمجھ کر اس کا سراہنا برا نہ تھا۔ اب جبکہ یہ بات صاف دکھائی دیتی ہے کہ دیوناگری ہر طرح سے مہنگا اور گھاٹے کا سودا ہے۔ اس کو وہی سراہ سکتا ہے جو دیش کا دشمن ہو چاہے وہ اپنے آپ کو کانگریسی ہی نہیں دیش بھگت کہتا ہو۔

دیوناگری سے تو گجراتی اور بنگالی لپی سستی ہیں اور ان سے بھی زیادہ تامل لپی۔ لیکن اردو رومن کے مقابلہ میں وہ بھی بہت مہنگی پڑتی ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میں اردو لپی یا آج کل کی انگریزی رومن کے حق میں ہوں۔ میری رائے میں اردو کا بڑا بھاری نقص یہ ہے کہ اس کے ہجے بے اصول ہونے کی وجہ سے اردو اچھی طرح سیکھنے میں دیوناگری یا رومن کے مقابلہ میں شروع میں دو برس زیادہ لگتے ہیں۔ کسی قوم کے لئے بچپن کے دو برس ضائع کرنے ایک بہت بھاری قربانی ہے۔ لیکن پھر بھی قوم کی ساری عمر کا جو تہائی یا پانچواں حصہ قربانی کرنے سے بہت کم۔ رومن لپی جو انگریزوں نے ہندوستانی کے لئے بنائی ہے وہ کچھ ٹھیک نہیں جچتی لیکن اسے ٹھیک کرنا کچھ مشکل کام نہیں معلوم ہوتا۔

انگریزی میں کچھ ایسی کتابیں ہیں جن میں کسی لپی کی اچھائی یا برائی جانچنے کے اصول درج ہیں۔ ان اصولوں کے مطابق اگر کوئی لپی بنائی جائے جو ہماری بولی کے موافق ہو تو بہت اچھا ہو۔ میرے خیال میں رومن ہی ایک ایسی لپی ہے جس کو ہم اتنا آسان

بنا سکتے ہیں کہ اس کے پڑھنے میں دیوناگری کے مقابلہ میں آدھا وقت خرچ ہو۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ ہم آسانی سے اپنے دیس کی علمی عمر کو دوگنا کر سکتے ہیں یا یوں کہو کہ جس سے ہمارے دیس میں علم دوگنا پھیلے۔ پر ایسی لپی بنانے کے لئے ضرورت ہے جانچ پرتال کھوج کی۔ ہماری سرکار نے اور سائنسوں کی کھوج کیلئے حال ہی میں دس گیارہ کمیٹیاں بنائی ہیں۔ کاش ہماری سرکار اس لپی کی سائنس کی طرف بھی دھیان دے اور ایک ایسی سائنس دانوں کی کمیٹی مقرر کرے جو ہمارے لئے ایسی لپی بنائے جس سے ہماری علمی عمر دگنی نہیں، تو کم از کم ڈیوڑھی ہو جائے۔ شاید کہ میرا خیال غلط نہ ہو کہ جتنا فائدہ ہمارے دیس کو ایسی لپی کمیٹی سے ہو سکتا ہے اور کسی موجودہ سائنس کمیٹی سے امید نہیں کیا جا سکتا۔

بہار میں اردو کی تحریک

جس وقت اتر پردیش میں علاقائی زبان کی تحریک شروع ہوئی تھی اسی کے ساتھ ساتھ بہار کی صوبائی انجمن ترقی اردو نے بھی اسی قسم کی تحریک شروع کی تھی۔ درمیان میں بعض مشکلات کی وجہ سے یہ تحریک کچھ کمزور ہو گئی تھی لیکن بہار کے پرجوش کارگذاروں اور صوبائی انجمن کے سکریٹری غلام سرور صاحب کے مخلصانہ جذبہ نے اس تحریک کو مرنے نہیں دیا۔ حال ہی میں کلکتہ کے اخباروں سے یہ اطلاع ملی ہے کہ

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے دستور ہند کے دفعہ ۳۴۷ کے تحت ریاست بہار میں اردو کے علاقائی زبان منوانے کی غرض سے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں محضر نامہ پیش کرنے کے لئے جو اردو دستخطی مہم چلائی تھی اس سلسلے میں دس لاکھ دستخط جمع کئے جا چکے ہیں۔ نصف سے زائد کام ہو چکا ہے اب آخری منزل میں مالی دشواریاں پڑی ہیں۔

اس سلسلے میں انجمن کے جنرل سکریٹری غلام سرور ایڈیٹر "روزنامہ ساتھی" پٹنہ اور مجلس عاملہ کے رکن سہیل عظیم آبادی صاحب ایڈیٹر "تہذیب" پٹنہ کلکتہ تشریف لے آئے ہیں اور منگل کی صبح جنتا ایکسپریس سے عبد القیوم انصاری ایم ایل اے۔ سردار محمد لطیف الرحمن صاحب ایم ایل اے۔ احمد محمد نور صاحب نائب وزیر بہار، میاں عبد المالک صاحب سابق ایم ایل سی۔ سید محمد ایوب صاحب ایڈوکیٹ، پروفیسر سید اختر اورینوی، الحاج پروفیسر حافظ شمس الدین احمد صاحب اسی غرض سے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ حضرات کلکتہ کے اردو دوستوں سے مالی امداد کی اپیل کریں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ بہار کے اردو دوستوں کی اپیل کلکتہ میں کارگر ہوگی اور کلکتہ کے اہل دل اس عظیم الشان تہذیبی کام میں فراخدلی کے ساتھ پوری امداد کریں گے۔ یہ کام نہ صرف بہار کا کام ہے نہ صرف بنگال اور نہ صرف اتر پردیش کا کام ہے۔ یہ کام تو سارے ہندوستان کا کام ہے۔ سارے ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی حفاظت کا کام ہے۔ جس میں صوبوں یا فرقوں کا کوئی امتیاز نہیں ہو سکتا۔ ہماری بہترین تمنائیں بہار کے اردو دوستوں کے ساتھ ہیں۔

انجمن ترقی اردو امروہہ کے سالانہ انتخابات

۴ر ستمبر ۵۳ء بروز جمعہ انجمن ترقی اردو امروہہ کا سالانہ جلسہ زیر صدارت جناب پیتمبر داس صاحب بھٹناگر ایم اے منعقد ہوا جس میں محمد احسان حسین سکریٹری انجمن ہذا نے اپنی مفصل رپورٹ میں انجمن کی سابقہ کارگزاریاں دستخطی مہم کے سلسلہ میں انجمن کی غیر معمولی کامیابی اور اردو کالج کے قیام کے بارے میں انجمن کی جد و جہد کا تذکرہ کیا۔ بعدہٗ انجمن کا دستور العمل جس کا مسودہ جلسہ عام کی مقرر کردہ دستور ساز سب کمیٹی نے تیار کیا تھا۔ پیش ہو کر معمولی ترمیم کے بعد منظور کیا گیا۔ نیز آئندہ سال کے لئے حسب ذیل اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔

۱۔ سید سخی حسن صاحب نقوی بی اے بی ٹی	صدر
۲۔ مولوی صدر الدین صاحب	نائب صدر
۳۔ سید غفور حسن صاحب	سکریٹری
۴۔ سید قمر رضی صاحب	جوائنٹ سکریٹری
۵۔ مولوی سلطان محمد صاحب تسلیم	رکن
۶۔ حکیم کلب علی صاحب شاہد	"
۷۔ سید مختار حسین صاحب تاباں نقوی	"
۸۔ قاضی محبوب احمد صاحب عباسی	"
۹۔ مولوی آفتاب صاحب مریدی	"
۱۰۔ حافظ جمیل احمد صاحب انصاری	"
۱۱۔ حکیم دیانت اللہ صاحب	"
۱۲۔ مصطفےٰ خاں صاحب	"

ہندی اور مرہٹی

ناگ پور کی ایک اطلاع ہے کہ ۱۴ ستمبر کو ناگ پور کارپوریشن کا جلسہ شروع ہوا تو اس کے ایک ممبر جی جی جبھور کرنے یہ سوال اٹھایا کہ "جب ہندی اور مرہٹی کو یکساں حیثیت سے اس اسٹیٹ کی سرکاری زبان مان لیا گیا ہے تو کارروائی مرہٹی زبان میں ہونی چاہئے۔ مجھے ہندی میں آج کے جلسہ کا ایجنڈا دیکھ کر تعجب ہوا۔ کیوں کہ کارپوریشن میں پہلے ہی یہ طے ہو چکا ہے کہ اس کی سرکاری زبان مرہٹی ہوگی۔ اس پر چیف ایگزکٹو آفیسر نے جواب دیا کہ چوں کہ مرہٹی زبان کے اسٹینوگرافر وغیرہ نہیں ملے۔ اس لئے یکایک تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ آہستہ آہستہ ہی کی جائے گی۔" (الفاروق کاشی ۱۵ ستمبر ۵۳ء) مرہٹی اور ہندی کے جھگڑے سے ہمیں کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ مدھیہ بھارت میں مرہٹی زبان کو بالکل ہندی کے مساوی درجہ دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ مرہٹی کو ہندی کے بعد ثانوی بنایا گیا ہو۔ دوم یہ کہ ہندی کو زبانی طور پر تو سرکاری زبان تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر عملاً مدھیہ بھارت کے لوگ صرف مرہٹی ہی کو سرکاری زبان کی اور ہندی کو ثانوی زبان کی حیثیت دینا چاہتے ہیں۔ سوم یہ کہ ناگ پور کارپوریشن کے لئے یہ طے کر دیا گیا ہے کہ اس کی سرکاری زبان صرف مرہٹی ہو۔ اور ہندی زبان اس میں ثانوی درجہ بھی حاصل نہ کر سکے۔ اور یہ سب کچھ برداشت ہے ان لوگوں کو جو اتر پردیش (یو۔پی) میں اردو کو علاقائی حیثیت کو بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بقول معاصر "ہماری زبان"۔

"اس قضیہ کو سن کر اپنا اتر پردیش یاد آتا ہے۔ یہاں اردو والے بے چارے یہ بھی نہیں کہتے کہ سرکاری زبان کا اور اردو کا درجہ مساوی ہو۔ وہ تو ایک محدود دائرے میں چند رعایتیں چاہتے ہیں۔ لیکن وہ رعایتیں بھی ان کو نہیں ملتیں بلکہ ان مطالبوں کے جواب میں انھیں غداری اور پاکستان دوستی اور دو قومی نظریہ اور اتحاد دشمنی کے طعنے ملتے ہیں۔ حتیٰ کہ نوبت چاقو اور چھری تک آ گئی ہے۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ اگر اردو کے بجائے باقی تیرہ زبانوں میں سے کوئی زبان ہندی کے دوش بدوش اتر پردیش میں ہوتی تب ہم دیکھتے کہ ہماری ریاست کی حکومت کس لہجہ میں بات کرتی! چشم حقیقت بیں کو ادھر سرد ادھر گرم کے نظارے بصیرت بخشتے ہیں۔"

اتر پردیش کی حکومت اور اتر پردیش کی کانگریس کمیٹی اور اس صوبہ کے دوسرے لیڈر جو اردو زبان پر خار کھائے بیٹھے ہیں۔ ہم نے ان کی زبان سے ایک لفظ نہیں سنا کہ انھوں نے مدھیہ بھارت کے لوگوں کو ہندی کو ہٹانے اور اس کی جگہ مرہٹی کو استعمال کرنے پر غدار، دو قومی نظریہ کے حامی، اتحاد دشمن اور قومی کلچر کا مخالف قرار دیا ہو۔ لیکن شاید یہ خوبی کچھ اردو زبان ہی میں ہے کہ اس کا نام آتے ہی اس کے حامی غدار بھی بن جاتے ہیں، اور دو قومی نظریہ کے حامی بھی! اگر واقعی یہ لوگ قوم پرست اور سچے کانگریسی ہوتے تو وہ آج مرہٹی زبان کو پامال کر سکتے۔ مگر وہ اس کی کارفرمائی کو دیکھتے ہیں اور چپ ہیں۔ مگر جہاں اردو کا نام آیا بس کچھ نہ پوچھو کہ چہروں کا رنگ کیا سے کیا ہو جاتا ہے اور ان کے انصاف پر تعصب کی بجلی کس طرح گرنے لگتی ہے۔

نئی کتابیں
شعلۂ گل

(قومی دارالاشاعت۔ لاہور۔ قیمت پانچ روپیہ)

احمد ندیم قاسمی کی نظموں اور غزلوں کا یہ دوسرا مجموعہ حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ ترقی پسند شاعر اور مفکر کی جو روح ندیم کے کلام میں کہیں رقصاں ہے، کہیں لرزاں، کہیں شمشیر بدست اور کہیں فلسفۂ زندگی کا آئینہ ہاتھ میں لئے ہوئے، وہ ایک بے چین روح ہے جو زندگی کی تاریکیوں میں روشنی ڈھونڈھ رہی ہے۔ جس چراغ سے وہ اپنے راستے کی تاریکی کو مٹانا چاہتی ہے وہ ایمان اور ایقان کا چراغ ہے۔ اصطلاحی ایمان نہیں بلکہ ایمان انسان کی عظمت اور انسانیت کی فضیلت پر۔ ندیم کی شاعری کی "تھیم" یہی ہے۔ اس نے اور بھی بہت کچھ کہا ہے لیکن وہ بار بار اسی "تھیم" کی طرف پلٹ کر آتا ہے۔

اس نے تجھے عرش سے بلایا
انسان عظیم ہے خدایا

تو بستر کہکشاں پہ لیٹا تاروں کو تھا رہا تھا راہیں
اس خاک کے تودہ رواں پر پڑتی ہی نہ تھیں تری نگاہیں

وہ تجھ کو زمیں پہ کھینچ لایا
انسان عظیم ہے خدایا

یہ عروس زندگی کی دلربائی ہم سے ہے کارگاہ زیست کی ہنگامہ آرائی ہم سے ہے
جذبۂ تخلیق کی انجم رسائی ہم سے ہے کبریائی ہم سے ہے شان کبریائی ہم سے ہے

ہم نہ ہوں تو اس طرح اجڑے خدائی کا سہاگ
جس طرح خرمن میں بجلی جس طرح جنگل میں آگ

ندیم اپنے "انا" کے فلسفہ کو اقبال سے بھی دو قدم لے گیا ہے — بلکہ یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ اقبال کا رخ اور ہے اور ندیم کی سمت اور۔

"خدا بندے سے خود کہدے بتا تیری رضا کیا ہے"

ندیم کے لئے انسان کی عظمت کی یہ ایک نامکمل تصویر ہے۔ اقبال کے زور بیان کا پورا پیمانہ بھی اگر ندیم کو ملا ہوتا تو وہ انسانیت کی عظمت کے بلندیوں پر اقبال سے بھی اونچا اڑتا۔ ابھی اس کے شعر کی صحیح روح پوری طرح اس کشتی کو نہیں اٹھاتی! ندیم کو ابھی فکر شعر کی کچھ اور منزلیں طے کرنی ہیں۔

"شعلۂ گل" کا یہ تو ایک پہلو ہے۔ ایک دوسرا پہلو ندیم کا تغزل ہے۔ جہاں بیان اور طرز ادا کا لفظی پیکر زیادہ سبک اور اسکی آواز کا ترنم زیادہ خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ غزل میں ندیم کا انداز فکر زیادہ شاعرانہ ہے۔

پھر بھیانک تیرگی میں آ گئے
ہم گجر بجنے سے دھوکا کھا گئے
ہائے خوابوں کی خیاباں سازیاں
آنکھ کیا کھولی چمن مرجھا گئے
کس تجلی کا دیا ہم کو فریب
کس دھندلکے میں ہمیں پہنچا گئے
پھر وہی اختر شماری کا نظام
ہم تو اس تکرار سے اکتا گئے
آدمی کے ارتقا کا مدعا
وہ چھپاتے ہی رہے ہم پا گئے
اب کوئی طوفان ہی لائے گا سحر
آفتاب ابھرا تو بادل چھا گئے

سنہ ۴۷ء کے انقلاب کے بعد جو کچھ ندیم کی آنکھوں نے دیکھا اسے اگر وہ نظم کا لباس پہناتے تو شاید وہ تصویر نظم کے لباس میں اتنی جاذب نظر نہ ہوتی جس طرح غزل کے لباس میں ہے۔

ڈبو چکا ہے امنگوں کا جس کو سناٹا
بلا رہا ہے اسی بزم میں قیاس ہمیں
یہ پوچھنا ہے کہ کب آدم زمیں پہ اتریگا
جو لے چلے کوئی کامل خدا کے پاس ہمیں

شباب گردِ سفر، زندگی فریبِ نظر
تری تلاش میں ایسے کئی مقام آئے
یہ جانے کونسا آدم ہے آپ کا معیار
کہ ہم تو عرش پہ جاکر بھی ناتمام آئے

افق نہاں ہے تو حدِ نظر کا ذکر کریں
ستارے ڈوب گئے ہیں سحر کا ذکر کریں
ہمیں تو عظمتِ انساں کو آزمانا ہے
حضور فلسفۂ خیر و شر کا ذکر کریں
فرار کا یہ نیا روپ ہے اگر ہم لوگ
چراغ توڑ کے نورِ قمر کا ذکر کریں

ندیم کے افکار کے ہر پہلو کا کوئی نمونہ پیش کرنا مشکل ہے۔ "شعلۂ گل" ملک کے لئے شعر کی بے پناہ قوت نمو کا ایک نمونہ ہے۔ اور ہمارے ترقی پسند ادب میں اس کی جگہ محفوظ ہے۔

کتاب نمبر کیا ہے

(مسلم یونیورسٹی لائبریری سیریز (۱) مرتبہ محمد زبیر صاحب اسسٹنٹ لائبریرین، لٹن لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ ملنے کا پتہ: محمد عزیز فرحت منزل، بدر باغ، علی گڑھ۔ قیمت ایک روپیہ۔)

اردو زبان میں کتاب خانوں کی ترتیب اور تنظیم کے موضوع پر کوئی بھی معتبر کتاب موجود نہیں۔ یہ فن اب علم و ادب کی دنیا میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ طلباء اور اہل علم کے لئے کتب خانوں کی افادیت بغیر سائنٹفک ترتیب و تنظیم کے ادھوری رہ جاتی ہے۔ محمد زبیر صاحب نے اس فن میں چھوٹی چھوٹی اور مستند کتابیں لکھنے کا ارادہ کرکے ایک بہت مفید علمی کام کا ارادہ کیا ہے۔ اس سلسلہ کا پہلا نمبر یہ کتابچہ ہے جس میں ماہر فن مولف نے کتابوں کے نمبر بنانے کا جدید ترین سائنٹفک طریقہ بتایا ہے۔ جو طلباء اور علم و ادب کے خادم اس فن سے واقف ہونا ضروری سمجھتے ہیں ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے اور حد درجہ مفید ہوگا۔ ہم محمد زبیر صاحب کو ان کی اس کوشش پر مبارکباد دیتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ اس سلسلہ کی باقی کتابیں بھی وہ جلد مرتب کرکے اس فن میں اپنی مفید تالیف کو مکمل کریں گے۔ اس سے پہلے محمد زبیر صاحب کتابوں کی فہرست بندی پر

انگریزی میں ایک بہت مفید اور جامع کتاب لکھ چکے ہیں، جس کے متعلق ایسے صاحبان علم وفضل نے جیسے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین وائس چانسلر، مسٹر رنگاناتھن صدر لائبریری ایسوسی ایشن وغیرہ ہیں، اس کتاب کی افادیت کے متعلق بہت اچھے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ وہ کتاب بہت مقبول اور اس فن کی ترتیب حاصل کرنے والے طلباء کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ اسی طرح ہمیں یقین ہے کہ اردو کا یہ کتابچہ بھی مقبول اور مفید ثابت ہوگا۔

احوال غالب

مرتبہ۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد

پر

چند رائیں

پروفیسر اختر اورینوی صدر شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی

احوال غالب بہت ہی نادر اور دلکش تحفہ ہے۔ نہایت کارآمد مضامین ہیں۔ انتخاب بھی بہت اچھا ہے اور ترتیب بھی بڑے سلیقے سے دی ہے۔ یہ مسند غالب کے مطالعہ میں سنگ بنیاد کا کام دے گا۔ اور مینار ہدایت بھی بنے گا۔ کاش کہ ہمارے عالی مرتبت شاعروں اور انشاپردازوں پر اس طرز کی جلدیں شائع ہوتی رہیں۔

پروفیسر آل احمد سرور لکھنؤ یونیورسٹی

احوال غالب بڑی صاف ستھری دیدہ زیب اور قابل قدر کتاب ہو گئی ہے۔ یہ آپ نے بہت بڑا کام کر ڈالا۔ اردو میں ایسی کتابیں نکلتی رہیں تو پھر حکومت اور اکثریت کی ساری مخالفتیں اس کی ترقی کو نہ روک سکیں گی۔

خواجہ احمد فاروقی دہلی یونیورسٹی

احوال غالب کو دیکھ کر دل کا سرور اور آنکھوں کا نور بڑھ گیا۔ خوب ترتیب دی ہے اور خوب اچھی ہے۔

مولانا غلام رسول مہر، لاہور

دو گھنٹے میں پوری کتاب ختم کرنے کے بعد ہی اپنی جگہ سے اٹھا۔ مضامین کی تقسیم و ترتیب کا نقشہ بدیع بھی ہے اور دلکش بھی۔ کتاب بیحد قابل قدر ہے، اس کے لئے اس عاجز کی طرف سے ہدیۂ تبریک قبول فرمائیے۔ بقیہ اجزا کا انتظار رہے گا۔

مولانا امتیاز علی عرشی۔ رام پور

آپ کی محنت اور حسن ذوق کی داد میں کیا دے سکتا ہوں، یہ کام صاحبان علم کا تھا اور وہ کر چکے۔ ہاں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اس سے زیادہ اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں نے سب سے زیادہ شوق سے غالب کی وہ تحریر پڑھی جو انہوں نے منظر عجب کے لئے لکھی تھی۔ بڑی دلچسپ تحریر ہے۔

محترمہ حمیدہ سلطان۔ دہلی

پہلے یہ مجموعہ خوب تھا اب خوب تر ہو گیا ہے۔ میں آپ کو ایسی قابل قدر کتاب شائع کرنے پر مبارکباد دیتی ہوں۔

پروفیسر نظام الدین۔ ایس گوریکر

غالب کی زندگی اور کلام پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، اور لکھی جائیں گی۔۔۔۔۔ احوال غالب مرزا غالب کی سوانح عمری کے متعلق مستند باتوں کا ایک خزانہ ہے۔ وہ اردو کے ایسے مسلم محققین کے عالمانہ مضامین پر مشتمل ہے جیسے کہ پروفیسر رشید احمد، سید مسعود حسن رضوی،

مالک رام، غلام رسول مہر، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی وغیرہ۔ بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ احوال غالب کی ترتیب میں ڈاکٹر مختار الدین آرزو پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں اور انہوں نے محققین کے تحقیقاتی مقالات کو بہت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ مرزا غالب کی مستند تصاویر اور ان کی نادر تحریروں کے عکسوں نے کتاب کی قدر و قیمت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔

کتابت و طباعت بہترین۔ ۱۵ نادر تصاویر قیمت ۵ روپیہ

ناشر:- انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ

خطبۂ صدارت

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، صدر انجمن ترقی اُردو نے لکھنؤ کی کانفرنس میں جو خطبۂ صدارت پڑھا وہ اتر پردیش میں اردو کے مسئلہ کے متعلق ایک بھاری بھرکم اور ذمہ دارانہ آواز تھی جو ہندی اور اردو کے حلقوں میں گونج گئی۔ یہ خطبہ اردو اور دیوناگری رسم الخط میں چھاپا گیا ہے۔ اور اس کے تھوڑے سے نسخے فروخت کے لئے موجود ہیں۔

قیمت ۸ر آنے

تین ۳ شاعر

انجمن ترقی اردو نے ملک کے نئے اور نوجوان شعراء کے کلام کے انتخاب کو شائع کرنے کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے اس سلسلے کی تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ **کلام وجد** حیدر آباد کے مشہور شاعر اور ادیب سکندر علی وجد کے کلام کا انتخاب مجلد، ٹائپ کی طباعت۔ قیمت ۸/۱ روپے

۲۔ **غزل** ترقی پسند جواں سال اور نازک خیال شاعر مجروح سلطانپوری کی غزلوں کا مجموعہ بہترین ٹائپ میں چھاپا گیا ہے۔

قیمت ۸/۱ روپے

۳۔ **مخدوم** حیدر آباد کے بائیں بازو کے سرفروش رہنما مخدوم محی الدین کے کلام کا انتخاب ٹائپ کی طباعت۔

قیمت ۸/۱ روپیہ

ترقی پسند ادب

سردار جعفری کے قلم سے "ترقی پسند ادب" پر پہلی مستند کتاب ہے جو اردو کی ترقی پسندی کے متعلق بہت سے ناواقف لوگوں کی غلط فہمیوں کو رفع کرتی ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص ہر اس بات سے جو سردار جعفری نے لکھی ہے متفق ہو جائے لیکن یہ ہم جانتے ہیں کہ اس کتاب کے مطالعے سے اردو ادب میں ترقی پسندی کے رجحانات کے متعلق بہت سے غلط رجحانات اور نظریے جو قائم کر لئے گئے ہیں درست ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہم اس کتاب کو ترقی پسند ادب کے متعلق ایک مستند دستاویز سمجھتے ہیں۔

قیمت ۶ روپے

ناشر

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ